واقعۂ کربلا
مدیر
مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی
معاونین
مفتی محمد کاشف محمود ہاشمی
مفتی امجد حسین اعوان
پیشکش
ادارہ اہل سنت کراچی
www.facebook.com/darahlesunnat

واقعۂ کربلا

مدیر

مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی

معاونین

مفتی محمد کاشف محمود ہاشمی

مفتی امجد حسین اعوان

واقعۂ کربلا

نبیٔ رحمت ﷺ کو دارِ فنا سے دارِ بَقا کی طرف رحلت فرمائے، ابھی پچاس ۵۰ برس ہی گزرے تھے، کہ ۶۱ سن ہجری میں عراق کے شہر کُوفہ سے کچھ فاصلے پر، "کربلا" کے مقام پر لشکرِ یزید نے، فرزندِ رسول حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفر کی حالت میں، ان کے اَہل و عِیال اور رُفقاء سمیت تیغِ جفا سے شہید کر دیا۔ خلافتِ راشدہ کا تیس ۳۰ سالہ دَور، حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مکمل ہو چکا تھا، اور پھر مُلوکیت (بادشاہت) کی ابتداء حضرت امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔

جب ۶۰ سن ہجری میں حضرت سیّدنا امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا، اور یزید اُن کا جانشین بنا، تب تختِ حکومت پر بیٹھتے ہی اُس کے لیے سب سے اہم مسئلہ، حضرت سیّدنا امام حسین، حضرت سیّدنا عبداللہ بن زبیر اور حضرت سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بیعت لینے کا تھا؛ کیونکہ ان حضرات نے یزید کو امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ولیٔ عہد تسلیم نہیں کیا تھا۔ اس کے علاوہ ان حضرات سے یزید کو یہ بھی خطرہ تھا، کہ کہیں ان میں سے کوئی خلافت کا دعویٰ نہ کر دے، اور کہیں ایسا نہ ہو کہ سارا حجاز مقدّس میرے خلاف اُٹھ کھڑا ہو، جبکہ حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دعویٔ خلافت کی صورت میں، عراق میں بھی بَغاوت کا سخت اندیشہ تھا۔

اِن وُجوہ کی بنا پر یزید کے پیشِ نظر، سب سے بڑا مسئلہ اپنی حکومت کی بقا اور اسے تحفظ دینا تھا، لہذا اُس نے اِن حضراتِ مقدّسہ سے بیعت لینا ضروری سمجھا۔ چنانچہ اس نے مدینہ منوّرہ کے گورنر ولید بن عقبہ کو، حضرت سیّدنا امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خبر دی، اور ساتھ ہی ان حضراتِ مقدّسہ سے بیعت لینے کے لیے سخت تاکیدی حکم بھیجا۔ ولید نے حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، حضرت سیّدنا امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خبر دی، اور یزید کی بیعت کے لیے کہا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعزیت کے بعد فرمایا، کہ میرے جیسا آدمی اس طرح چُھپ کر بیعت نہیں کر سکتا، اور نہ میرے لیے اس طرح چُھپ کر بیعت کرنا مناسب ہے، اگر آپ باہر نکل کر عام لوگوں کو، اور ان کے ساتھ ہمیں بھی دعوت دیں تو یہ مناسب ہو گا۔

یزید کی بیعت حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قلبی طَور پر سخت ناپسند تھی؛ کیونکہ وہ نااہل تھا، اور اس کا تقرّر بھی خلفائے راشدین کے اسلامی طریقۂ انتخاب کے بالکل خلاف ہوا تھا، اس لیے آپ احتجاجًا اس کے خلاف تھے، اور دوسری طرف حالات اجازت نہیں دے رہے تھے، کہ آپ علی الاعلان اس کے خلاف آواز بلند کریں۔ لہذا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اہل وعِیال اور عزیز واقارب کو ساتھ لے کر، مدینۂ منوّرہ سے مکّہ مکرّمہ کی طرف ہجرت فرمائی، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکّہ مکرّمہ پہنچنے کی خبر سُن کر، لوگ جُوق در جُوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر، زیارت کا شرف حاصل کرنے لگے۔

اہلِ کُوفہ کے خطوط ووُفود

جب اہلِ کُوفہ کو حضرت سیّدنا امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کی خبر ملی، اور انہیں اس بات کا علم ہوا کہ حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے، تو انہوں نے سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام ہزاروں کی تعداد میں خطوط لکھے، کہ آپ جلد از جلد کُوفہ تشریف لے آئیے، مسندِ خلافت آپ کے لیے خالی ہے، ہمارے اَموال اور ہماری گردنیں آپ کے لیے حاضر ہیں، سب کے سب آپ کے منتظر و مشتاق ہیں، آپ کے سِوا کوئی ہمارا امام و پیشوا نہیں، آپ کی مدد کے لیے یہاں لشکر مہیا و حاضر ہے !۔

امامِ عالی مقام نے جب اہلِ کُوفہ کے خطوط ووُفود میں، ان کے جذباتِ عقیدت و محبت، جان و مال قربان کرنے کی تمنّاؤں، اور کوفہ آنے کی التجاؤں کو دیکھا، تو فیصلہ کیا کہ حالات معلوم کرنے کے لیے، پہلے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا جائے، چنانچہ آپ نے انہیں اہلِ کُوفہ کے نام ایک خط دیا، اور فرمایا کہ آپ کوفہ جاکر بذاتِ خود، براہِ راست حالات کا صحیح اندازہ لگا کر ہمیں اطلاع دیجیے، اگر حالات

سازگار ہوں تو میں بھی آجاؤں گا، اور اگر حالات نامناسب ہوں تو آپ بھی واپس تشریف لے آئیے[1]۔

کوفہ تشریف لے جانا امام حسین کی شرعی مجبوری تھی

صدرالاَفاضل حضرت علّامہ سیّد نعیم الدین مُرادآبادی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ "اگرچہ امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کی خبر مشہور تھی، اور کُوفیوں کی بے وفائی کا پہلے بھی تجربہ ہوچکا تھا، مگر جب یزید بادشاہ بن گیا تو اس کی حکومت و سلطنت، دِین اسلام کے لیے خطرہ تھی، اور اسی سبب سے اس کی بیعت نارَوا تھی، اور وہ طرح طرح کی تدبیروں اور حیلوں سے چاہتا تھا، کہ لوگ اس کی بیعت کرلیں۔ ان حالات میں کوفیوں کا بپاسِ ملّت یزید کی بیعت سے دست کَشی کرنا، اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ سے طالبِ بیعت ہونا، امام پر لازم کرتا تھا کہ ان کی درخواست قبول فرمائیں، جب ایک قوم ظالم وفاسق کی بیعت پر راضی نہ ہو، اور صاحبِ اِستحقاق اہل سے درخواستِ بیعت کرے، اس پر اگر وہ اُن کی اِستدِعاء قبول نہ کرے، تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں، کہ وہ اس قوم کو اس جابر ہی کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ اگر اس وقت کوفیوں کی درخواست قبول نہ فرماتے، تو بارگاہِ الٰہی عزوجل میں کوفیوں کے

---

(١) "البداية والنهاية" سنة ستّين من الهجرة النبوية، قصّة مخرج الحسين إلى العراق، ٨/ ١٧٤، ١٧٥. و"تاريخ الطَبَري" سنة ستّين، خلافة يزيد بن مُعاوية، ٥/ ٣٣٨- ٣٤٧.

اس مطالبہ کا، امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس کیا جواب ہوتا؟ کہ "ہم ہر چند دَر پے ہوئے، مگر امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ بیعت کے لیے راضی نہ ہوئے؟ بدیں وجہ (اسی لیے) ہمیں یزید کے ظلم و تشدّد سے مجبور ہو کر، اس کی بیعت کرنا پڑی، اگر امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ ہاتھ بڑھاتے، تو ہم ان پر جانیں فِدا کرنے کے لیے حاضر تھے"!۔

یہ مسئلہ ایسا درپیش آیا، جس کا حل بجز اس کے اَور کچھ نہ تھا، کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ ان کی دعوت پر لبیک فرمائیں۔ اگرچہ اکابر صحابۂ کرام: حضرت ابن عباس و حضرت ابن عُمر و حضرت جابر و حضرت ابو سعید و حضرت ابو واقد لیثی وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم، حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس رائے سے متفق نہیں تھے، اور انہیں کوفیوں کے عہد و مَواثیق کا اعتبار نہ تھا، امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی محبت اور شہادتِ امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہرت، ان سب کے دلوں میں اِختلاج پیدا کر رہی تھی، گو کہ یہ یقین کرنے کی بھی کوئی وجہ نہ تھی، کہ شہادت کا یہی وقت ہے، اور اسی سفر میں یہ مرحلہ درپیش ہوگا، لیکن اندیشہ مانع تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سامنے مسئلہ کی یہ صورت درپیش تھی، کہ اس اِستدعاء کو رد کرنے کے لیے عذرِ شرعی کیا ہے؟ اِدھر ایسے جلیل القدر صحابہ -علیہم الرضوان- کے شدید اِصرار کا لحاظ، اُدھر اہلِ کوفہ کی اِستدعاء رَد فرمانے کے لیے کوئی شرعی عذر نہ ہونا، حضرت امام حسین کے لیے نہایت پیچیدہ مسئلہ تھا، جس کا حل بجز اِس کے کچھ نظر نہ آیا، کہ پہلے حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالٰی عنہ

کو بھیجا جائے، اگر کوفیوں نے بد عہدی و بے وفائی کی، تو عذرِ شرعی مل جائے گا، اور اگر وہ اپنے عہد پر قائم رہے، تو صحابہ کو تسلّی دی جا سکے گی"[1]۔

حضرت سیّدنا مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اہلِ کوفہ کی، بے پناہ عقیدت و محبت کو دیکھ کر، حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں لکھ بھیجا، کہ ہزاروں اَفراد نے میرے ہاتھ پر بیعت کرلی ہے، اور یہاں کے سب لوگ آپ کی تشریف آوری کے منتظر ہیں، آپ فوراً تشریف لے آئیں! حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس اطلاع کے بعد، کوفہ جانے کا عزمِ صمیم کرلیا، اور اُدھر کوفہ میں جو فساد برپا ہو چکا تھا، اس کی آپ کو اطلاع نہیں ہوئی تھی[2]۔

حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ۳ ذی الحجہ ۶۰ سن ہجری کو اپنے اہلِ بیت وخُدّام وغیرہ، کُل بیاسی ۸۲ اَفراد کو ہمراہ لے، کر راہِ عراق اختیار فرمائی[3]۔ راستے میں حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کوفیوں کی بدعہدی، اور حضرت سیّدنا مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت کی خبر مل گئی تھی۔ اس پر امام حسین کے رفقاء کی آراء مختلف ہوئیں، اور ایک بار آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بھی واپسی کا قصد ظاہر فرمایا، لیکن بہت گفتگو کے بعد یہی طے

---

(۱) "سوانح کربلا" ص۱۱۷۔

(۲) "البداية والنهاية" سنة ستّين من الهجرة النبوية، قصّة مخرج الحسين إلى العراق، ۸/ ۱۸۱.

(۳) "سوانح کربلا" ص۱۲۸۔

پایا، کہ سفر جاری رکھا جائے، اور واپسی کا خیال ترک کر دیا جائے۔ حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا، اور قافلہ آگے چل دیا۔ یہاں تک کہ حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کربلا میں نُزول فرمایا۔

یہ محرّم الحرام ۶۱ سن ہجری کی دو ۲ تاریخ تھی، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مقام کا نام دریافت کیا، تو معلوم ہوا کہ اس جگہ کو "کربلا" کہتے ہیں۔ حضرت سیّدنا امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کربلا سے واقف تھے، اور آپ کو معلوم تھا کہ کربلا ہی وہ جگہ ہے، جہاں اہلِ بیتِ رسالت کو راہِ حق میں اپنے خون کی ندیاں بہانی ہوں گی۔ انہی دِنوں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور سیّدِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، حضور -علیہ الصلوات والتسلیمات- نے آپ کو شہادت کی خبر دی، اور آپ کے سینۂ مبارک پر دستِ اقدس رکھ کر دعا فرمائی: «اللّهمّ أعطِ الحسَينَ صبراً وأجراً!» اے اللہ! حسین کو صبر واجر عطا فرما![1]۔

پھر ابن زیاد نے سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خط لکھ بھیجا، کہ یزید کی بیعت کر لیجیے! جب وہ خط آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا، آپ نے اسے پڑھ کر پھینک دیا، اور خط لانے والے قاصد سے فرمایا، کہ اس وقت میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں!۔

ایلچی نے آکر ابنِ زیاد کو بتایا، تو جواب سُن کر ابن زیاد کا غصہ بھڑک اٹھا، اس نے لوگوں کو جمع کیا، فوجیں تیار کیں، اور ان کا سپہ سالار عمر بن سعد کو بنایا، جو ملک رَے کا والی تھا۔ اوّلاً اُس نے پہلوتہی سے کام لیا، اس پر ابنِ زیاد نے کہا، کہ یا تو لڑنے کے

---

(۱) ایضاً، ص۱۲۸تا۱۳۱۔

لیے تیار ہوجا، یا پھر رَے کی حکومت چھوڑ کر گھر بیٹھ جا! ابن سعد نے رَے کی حکومت اختیار کی، اور بائیس ہزار سوار اور پیادہ لشکر لے کر، نواسۂ رسول حضرت امام حسین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے لڑنے چل پڑا، یہاں تک کہ یہ لوگ دریائے فُرات کے کنارے پر قابض ہو کر، قافلۂ سیّدنا امام حسین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور پانی کے درمیان حائل ہوگئے [۱]۔

یہاں یہ کارروائی ہوئی، کہ سب خیمے ایک دوسرے کے قریب کر دیے گئے، خیموں کے پیچھے خندق کھود کر اُسے نَرکُل وغیرہ خشک لکڑیوں سے بھر دیا گیا۔ اب امام حسین کے رفقاء ان کاموں سے فارغ ہو کر، سیّدنا امام حسین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، اور سیّدنا امام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنے اہل اور ساتھیوں سے فرما رہے ہیں کہ "صبح دشمن سے ہمارا مقابلہ ہے، میں نے بخوشی تمام، تم سب کو اجازت دی، ابھی رات باقی ہے، جہاں جگہ پاؤ چلے جاؤ! اور ایک ایک شخص میرے اہلِ بیت میں سے ایک ایک کو ساتھ لے جاؤ، اللہ عَزَّوَجَلَّ تم سب کو جزائے خیر دے! دیہات وبلاد میں متفرق ہو جاؤ، یہاں تک کہ اللہ تعالی بلا ٹالے، دشمن جب مجھے پائیں گے، تمھارا پیچھا نہیں کریں گے"۔ یہ سُن کر امام کے بھائیوں، صاحبزادوں، بھتیجوں اور عبد اللہ بن جعفر کے بیٹوں نے عرض کی کہ "ایسا ہم کس لیے کریں؟ اس لیے کہ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بعد زندہ رہیں؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمیں وہ منحوس دن نہ دکھائے، کہ آپ نہ ہوں اور ہم زندہ رہیں! [۲]۔

---

(۱) "سرّ الشهادتين" صـ۱۹، ۲۰.

(۲) "آئینۂ قیامت" ص۵۱۔

یہاں تک کہ ابن سعد نے اپنے لشکر کے ساتھ، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے رفقاء پر حملہ کر دیا، آپ کے رفقاء واَحباب وبرادران وشہزادگان، ایک ایک کر کے شہید ہوتے چلے گئے، تقریبًا پچاس ۵۰ سے زائد افراد شہید ہو گئے، اور بالآخر حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی، بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا[1]۔

یزید بن مُعاویہ ابو خالد اُمَوی وہ بد بخت شخص ہے، جس کی پیشانی پر اہلِ بیت کرام -علیہم الرضوان- کے بے گناہ قتل کا سیاہ داغ ہے، یہی وہ شخص ہے جس پر ہر زمانے میں پوری دنیائے اسلام ملامت کرتی رہی ہے، اور قیامت تک اس کا نام حقارت سے لیا جائے گا۔ محرمات سے نکاح اور سُود وغیرہ مَنہیات (ممنوعات) کو بھی اس بے دین نے علانیہ رَواج دیا، مدینہ طیّبہ ومکّہ مکرّمہ کی بے حرمتی بھی کرائی[2]۔

واقعۂ کربلا، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرت سلمیٰ کہتی ہیں، کہ میں حضرت سیّدہ امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی، تو وہ رو رہی تھیں، میں نے سبب پوچھا تو فرمایا: «رأيتُ رسولَ الله ﷺ -تعنِي في المنَامِ- وعلَى رأسِه ولحيتِه الترابُ، فقلتُ: ما لَك

---

(۱) "سرّ الشهادتين" صـ۱۹-۲۳.

(۲) "سوانح کربلا" ص۱۱۱، ۱۱۲۔

يا رسولَ الله! قال: شهدتُ قتلَ الحسَين آنفاً»[1] "میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا، کہ حضور اقدس ﷺ کے سرِ انور اور داڑھی مبارک پر گرد وغبار ہے، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! خیریت تو ہے؟ (یہ گرد وغبار کیسا ہے؟) حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، کہ میں نے ابھی حسین کو شہید ہوتے دیکھا ہے"۔

(۲) حضرت سیّدہ امّ سلَمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يقتلُ حسَينٌ علَى رأْسِ ستّينَ مِنْ مهاجري!»[2] "حسین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو میری ہجرت کے ساٹھ ۶۰ سال بعد شہید کیا جائے گا!"۔

(۳) حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہا سے روایت ہے، حضور نبئ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أخبرَني جبريلُ أنّ ابنِي الحسَين، يُقتَل بعدِي بأرضِ الطّفّ، وجاءَني بهذه التُربة، وأخبرَني أنّ فيها مضجعَه»[3] "مجھے حضرت جبریل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے خبر دی ہے، کہ میرے بعد میرے

---

(۱) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب مناقب أبي محمد الحسن بن علي رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا ...إلخ، ر: ۳۷۷۱، صـ۸۵٦.

(۲) "تاريخ دِمشق" حرف الحاء، تحت ر: ۱۵٦٦- الحسين بن علي بن أبي طالب، ۱٤/ ۱۹۸.

(۳) "المعجم الكبير" الحسين بن علي بن أبي طالب رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، ر: ۲۸۱٤، ۳/ ۱۰۷.

فرزند حسین کو طَفّ (نہرِ فرات کے کنارے کربلا[1]) کی زمین پر قتل کیا جائے گا، اور حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے پاس یہ مٹی لائے اور بتایا، کہ یہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوابگاہ (مقتَل) کی خاک ہے"۔

(۴) حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ ایک روز میں نے نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسولَ اللہ! کیا کسی نے آپ کو ناراض کر دیا ہے؟ جو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «بل قامَ من عندي جبريلُ قبل، فحدَّثني أنّ الحسَينَ يُقتَل بشطّ الفُرات» قَالَ: «فقال: هل لك إلى أن أُشِمَّك مِن تربته؟» قال: «قلتُ: نعم، فمدّ يدَه، فقبَض قبضةً من تراب فأعطانيها، فلَم أملِكْ عيني أن فاضتا»[2].

"بات یہ ہے کہ ابھی ابھی حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا، کہ حسین کو نہرِ فُرات کے کنارے شہید کیا جائے گا، پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کو اس مٹی کی خوشبو سونگھا سکتا ہوں؟ میں نے اِثبات میں جواب دیا، تب انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھا کر، ایک مٹھی بھر کر مٹی اٹھائی اور مجھے دے دی، بس اس وقت سے مجھے اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رہا"۔

---

(١) "تهذيب اللغة" باب الطاء والفاء، الجزء ١٣، صـ٢٠٦.

(٢) "مسند الإمام أحمد" مسند علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه، ر: ٦٤٨، ١/ ١٨٤، ١٨٥.

(۵) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا: «رأيتُ النبيَّ ﷺ فيما يرى النائمُ ذاتَ يوم بنصفِ النّهار أشعَث أغبَر، بيدِه قارورةٌ فيها دمٌ، فقلتُ: بأبي أنت وأمّي يا رسولَ الله! ما هذه؟ قال: هذا دمُ الحسَين وأصحابِه، لم أزلْ ألتقطه منذ اليومَ، فأحصي ذلك الوقت، فوجد قد قتل ذلك اليوم»[1].

"ایک روز میں نے دوپہر کے وقت خواب میں رسولِ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دیکھا، کہ بال مبارک بکھرے ہوئے ہیں، گرد وغبار بھی پڑا ہوا ہے، حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہاتھ مبارک میں ایک بوتل ہے، میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان! خیریت تو ہے؟! فرمایا کہ "یہ حسین اور اُن کے ساتھیوں کا خون ہے، جسے آج میں جمع کرتا رہا"۔ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کہتے ہیں، کہ میں نے خواب کا وقت یاد رکھ لیا، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ وہی وقت تھا، جب حضرت حسین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی شہادت ہوئی تھی"۔

واقعۂ کربلا، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال الإمام جلال الدّين السُّيوطي رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: "لعن اللهُ قاتلَه وابنَ زياد معه ويزيد أيضاً، وفي قتله قصةٌ فيها طولٌ لا يحتمِل

(١) "دلائل النبوّة" للبَيهقي، جُماع أبواب إخبار النّبي ﷺ بالكوائن بعده، باب ما روي في إخباره بقتل ابن ابنته أبي عبد الله الحسين بن علي ...إلخ، ٦/ ٤٧١.

القلبُ ذِكرَها "[1]. "اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل اور ابن زیاد ویزید پر! امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کربلا میں شہید ہوئے، اور آپ کی شہادت کا قصہ طویل ہے، دل اس ذکر کا متحمل نہیں ہوسکتا"۔

قال العلّامة تفتازاني رحمہ اللہ تعالیٰ: "وإنّما اختلَفوا في يزيد بن مُعاوية، حَتّى ذَكَرَ في "الخلاصة" وغيرها: أنّه لا ينبغي اللَّعنُ عليه، ولا على الحَجّاج؛ لأنّ النبيَّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نهَى عن لعنِ المصلِّين، ومَن كان من أهل القبلة. وبعضُهم أطلقَ اللَّعنَ عليه، لما أنّه كفرَ حين أمرَ بقتل الحسَين رضی اللہ تعالیٰ عنہ، واتّفقوا على جواز اللَّعن على مَن قتلَه، أو أمرَ به، أو أجازَه، أو رضيَ به، والحقُّ أنّ رِضا يزيد بِقَتْلِ الحسَين واستبشاره بذلك، وإهانتُه أهلَ بيتِ النبيّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، مما تواتَرَ معناه"[2].

"یزید بن مُعاویہ کے بارے میں، سلَف مجتہدین اور علمائے صالحین کی آراء مختلف ہیں، یہاں تک کہ "خلاصہ" وغیرہ کتب میں مذکور ہے، کہ اس پر لعنت کرنا مناسب نہیں، اور نہ حجّاج بن یوسف پر؛ اس لیے کہ نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نمازیوں اور اہلِ قبلہ پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جبکہ بعض علماء نے اس پر لعنت کو جائز قرار دیا ہے؛ اس لیے کہ وہ اس وقت کافر ہوگیا تھا، جب اس نے امام

---

(١) "تاريخ الخلفاء" عهد بني أمية، يزيد بن معاوية أبو خالد الأموي، صـ١٥٧.

(٢) "شرح العقائد النَّسَفية" صـ٢٤٧، ٢٤٨.

حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ البتہ علماء اس بات پر متفق ہیں، کہ جس نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا، یا قتل کا حکم دیا، یا قتل کی اجازت دی، یا اس پر خوش ہوا، اُس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ اور حق یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر یزید کا راضی ہونا، اسے اچھا سمجھنا، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہلِ بیتِ کرام کی توہین کرانا، یزید سے قطعًا ثابت ہے"۔

قال الإمام ابن حجر الهيتمي رحمه الله تعالى: "فأَجَازَه قومٌ: منهم ابنُ الجَوزِيّ، ونقله عن أحمد وغيره، فإنّه قال في كتابه المُسَمّى بِـ"الرَدّ على المتعصّب العنيد المانِع من ذمّ يزِيد" سألَني سائلٌ عَن يزِيد بن معاوية، فقلتُ: له يكفِيه ما فيه، فقال: أَ يجوزُ لَعنُه؟ فقلتُ: قد أجَازَه العلمَاءُ الورِعون، منهم: أَحمد ابنُ حَنبَل؛ فإنّه ذكر فِي حقّ يزِيد مَا يزِيد على اللَّعنَة"[1].

"جن علماء نے یزید پر لعنت جائز قرار دی ہے، ان میں امام ابن جوزی بھی ہیں، انہوں نے امام احمد بن حنبل وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ اپنی کتاب "الرَّدِّ على المتعصب العنيد المَانِع من ذمّ يزِيد" میں تحریر کرتے ہیں، کہ مجھ سے کسی نے یزید بن مُعاویہ کے بارے میں پوچھا، تو میں نے جواب دیا کہ وہ جس حال میں ہے وہی اُس کے لیے کافی

---

(١) "الصواعق المحرقة" الخاتمة في بيان اعتقاد أهل السنّة والجماعة في الصّحابة ...إلخ، صـ٢٢٢.

ہے۔ پھر اس نے پوچھا کہ کیا اُس پر لعنت کرنا جائز ہے؟ میں نے جواب دیا کہ بعض اہلِ تقوی علماء نے یزید پر لعنت کرنے کو جائز قرار دیا ہے، ان علماء میں امام احمد بن حنبل بھی ہیں، بلکہ انہوں نے تو یزید کے بارے میں لعنت سے بھی بڑھ کر کلمات کہے ہیں"۔

قال أيضاً رحمه الله تعالى: "وَقَالَ نوفل بن أبي الفرات: كُنْتُ عِندَ عمر بن عبد العزيز، فَذَكَرَ رجلٌ يزيد فقال: قال أميرُ المؤمنين يزيد بن مُعاوية، فقال: تقول أمير المؤمنين؟! فأمرَ به، فضربَ عشرين سَوطًا"[1]. امام ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں کہ "نوفل بن ابی الفرات نے کہا، کہ میں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا، کہ وہیں کسی نے یزید کا ذکر کرتے ہوئے اسے "امیر المؤمنین" کہا، یہ سنتا تھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غضبناک ہوکر فرمایا، کہ تو یزید کو امیر المؤمنین کہتا ہے؟! پھر آپ کے حکم پر اس شخص کو بیس ۲۰ کوڑے لگائے گئے"۔

قال العلّامة آلوسي رحمه الله تعالى: "واستدلّ بها أيضاً على جواز لَعْنِ يزيد، عليه مِنَ الله تعالى ما يستحقّ"[2]. "(یعنی سورۂ محمد کی آیت ۲۰ تا ۲۲ سے:) نتیجہ نکلا، کہ یزید پر لعنت کرنا جائز ہے"۔

---

(۱) المرجع نفسه، صـ۲۲۱.

(۲) "تفسير روح المعاني" محمد، تحت الآيات: ۲۰-۳۸، ۱۳/ ۲۲۷.

حضرت شیخ عبد الحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "بعض علماء کی رائے یہ ہے، کہ قتلِ حسین دراصل گناہِ کبیرہ ہے؛ کیونکہ مؤمن کا قتلِ ناحق گناہِ کبیرہ ہے کفر نہیں، جبکہ لعنت تو کافروں کے لیے مخصوص ہے۔ ایسی رائے والوں پر افسوس ہے! وہ نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام سے بھی بے خبر ہیں؛ کہ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کی اولاد سے بُغض وعداوت رکھنا، انہیں تکلیف پہنچانا، اور ان کی توہین کرنا، باعث اِیذاء وعداوتِ نبی ہے۔ اس حدیث پاک[1] کی رَوشنی میں یہ حضرات یزید سے متعلق کیا فیصلہ کریں گے؟ کیا اِہانتِ رسول اور عداوتِ رسول کفر ولعنت کا سبب نہیں؟ اور کیا یہ بات جہنم میں پہنچانے کے لیے کافی نہیں؟"[2]۔

امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "یزید پلید کے بارے میں، ائمۂ اہلِ سنّت کے تین ۳ اقوال ہیں: (۱) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ اکابر اُسے کافر جانتے ہیں، تو ہرگز بخشش نہ ہوگی، (۲) امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ مسلمان کہتے ہیں، تو اس پر کتنا ہی عذاب ہو، بالآخر بخشش ضرور ہوگی، (۳) اور ہمارے امام، امامِ اعظم

---

(۱) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب ما جاء في فضل فاطمة رضي الله تعالى عنها، ر: ٣٨٦٩، صـ٨٧٣.

(۲) "تکمیل الایمان" ذکر یزید، ص۱۷۲۔

ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سُکوت (خاموشی) اختیار فرماتے ہیں، کہ ہم نہ مسلمان کہیں نہ کافر، لہٰذا ہم بھی سُکوت کریں گے"[1]۔

حدیثِ قسطنطینیہ اور یزید

بعض لوگ "بخاری شریف" کی ایک حدیث سے، یزید کا جنّتی ہونا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لہٰذا اوّلاً ہم وہ حدیث ذکر کریں گے، پھر مسئلے کی وضاحت: حضرتِ سیّدہ امّ حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «أوّلُ جيش مِنْ أمّتي يغزُون مدينةَ قيصرَ، مغفورٌ لهم!» "میری امّت کا جو لشکر سب سے پہلے شہرِ قَیصر جاکر لڑے گا، وہ بخشا جائے گا"، میں نے پوچھاکہ کیامیں بھی اُس لشکر میں جاؤں گی؟ فرمایا: «لاَ» "نہیں"[2]۔

اس حدیث سے یزید کی فضیلت پر، نتیجہ اخذ کرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیے، کہ یہ ارشادِ گرامی اُس نبیٔ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے، جن کے پیشِ نظر قیامت تک کے سارے حالات ہیں! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان مطلق نہیں، کہ جتنے لشکر بھی شہرِ قَیصر جاکر جہاد کریں گے، اُن سب کے لیے بخشش ہے، بلکہ «أوّلُ جيشٍ مِنْ أمّتِي» فرماکر بِشارت کو پہلے لشکر کے ساتھ خاص فرمایا، اور پہلے لشکر میں یزید ہرگز نہیں تھا۔

---

(۱) "اَحکامِ شریعت" مسئلہ یزید پلید کا اسلام وکفر، ص۱۷۰۔

(۲) "صحيح البخاري" كتاب الجهاد والسير، باب فضل من يصرع في سبيل الله ...إلخ، ر: ٢٩٢٤، صـ٤٨٣.

علّامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "سنةَ خمسِين، سيّر معاويةُ جَيشاً كثيفاً إلَى بلاد الرُّوم للغُزاة، وجعل علَيهم سفيانَ بن عوف، وأمرَ ابنَه يزيدَ بالغزاةِ معهم، فتثاقَل واعتلّ، فأمْسَك عنه أبوه"[1]. "۵۰ھ میں حضرت سیّدنا امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکرِ جرّار بلادِ روم (موجودہ استنبول، ترکی) کی طرف بھیجا، اور اس لشکر پر سفیان بن عَوف کو امیر بنایا، اور اپنے بیٹے یزید کو ان کے ساتھ جہاد میں شرکت کا حکم دیا، اس پر یزید بیٹھ رہا، اور حیلے بہانے شروع کیے، تب حضرت امیر مُعاویہ نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا"۔

اس پسِ منظر سے درج ذیل اُمور ثابت ہوئے:

(۱) یہ کہ وہ پہلا لشکر جو بلادِ روم کی طرف جہاد کے لیے گیا، اس کے قائد و امیر حضرت سفیان بن عَوف تھے، یزید ہرگز نہیں تھا۔

(۲) یہ کہ یزید اُس پہلے لشکر میں تھا ہی نہیں، اور بِشارتِ مغفرت پہلے لشکر کے لیے تھی، جیسا کہ حدیث میں صراحت ہے، لہٰذا اس بِشارت کا مصداق یزید ہرگز نہیں۔

(۳) یہ کہ یزید کو راہِ خدا میں جہاد سے کوئی قلبی لگاؤ نہیں تھا؛ کہ باوجود حضرت امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم کے، اس نے طرح طرح کے حیلے بہانوں کے ذریعے جان چُھڑالی، اور اپنے والد کے حکم اور جہاد سے رُوگردانی کی۔

---

(۱) "الكامل في التاريخ" ٣/ ٥٦.

علّامہ بدر الدّین عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:"سيّر معاويةُ جيشاً كثيفاً مع سفيان بن عوف إلى القُسطنطينية، فأوغلوا في بلادِ الرّوم، وكان في ذلك الجيش ابنُ عبّاس، وابنُ عمرَ، وابنُ الزبير، وأبو أيّوب الأنصاري، وتوفّي أبو أيّوب في مدّة الحصار. قلتُ: الأظهر أنّ هؤلاء السّادات من الصّحابة، كانوا مع سفيان هذا، ولم يكونوا مع يزيد بن معاوية؛ لأنّه لم يكن أهلاً أن يكونَ هؤلاء السّاداتُ في خدمته"[1].

"حضرت امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکر جرّار، جس کے امیر سفیان بن عَوف تھے، قسطَنطِینیہ پر چڑھائی کے لیے بھیجا، وہ لشکر روم کے شہروں کو فتح کرتے ہوئے بڑھتا چلا گیا۔ اس لشکر میں حضرت ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر اور ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے، اور ابوایوب انصاری اسی زمانۂ حصار میں وہیں فَوت ہوئے۔ میں کہتا ہوں (یعنی علّامہ عینی:) کہ یہ بات بالکل ظاہر ہے، کہ یہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سفیان بن عَوف کی قیادت میں تھے، یزید کی قیادت میں نہیں تھے؛ کیونکہ یزید اس بات کا اہل ہی نہیں تھا، کہ یہ بڑی بڑی ہستیاں اُس کی ماتحتی میں رہیں"۔

علّامہ بدر الدّین عینی علیہ الرحمۃ مزید فرماتے ہیں: "أيّ منقبةٍ كانت ليزيد؟ وحالُه مشهور! فإن قلتَ: قال ﷺ في حقّ هذا الجَيش: «مغْفُورٌ لَهُم».

(١) "عمدة القاري" كتاب الوصايا، باب ما قيل في قتال الرُّوم، تحت ر: ٢٩٢٤، ١٠/ ٢٤٤.

قلتُ: لا يلزم من دخوله في ذلك العموم، أن لا يخرجَ بدليل خاصّ؛ إذ لا يختِلف أهلُ العلم أنّ قولَه ﷺ: «مغْفُورٌ لَهُم» مشروطٌ بأن يكونوا من أهلِ المغفرة، حتّى لو ارتدَّ واحدٌ ممن غزاها بعد ذلك، لم يدخل في ذلك العموم، فدلّ علَى أنّ المرادَ: مغفورٌ لمن وُجد شرطُ المغفرة فيه منهم"[1].

"وہ کونسی منقبت ہے جو یزید کے لیے ثابت ہوگئی؟ جبکہ اُس کا حال تو سب کو معلوم ہے! اگر تم یہ کہو کہ حضور سیّدِ عالم ﷺ نے اس لشکر کے حق میں بِشارتِ مغفرت دی ہے! تو میں یہ کہتا ہوں (یعنی علاّمہ عینی:) کہ اس عموم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا، کہ وہ کسی دوسری دلیل کے ذریعے اس بِشارت سے خارج نہ ہوسکے؛ کیونکہ اس میں تو اہلِ علم کا کوئی اختلاف ہی نہیں، کہ حضور اکرم ﷺ کی بِشارت میں وہی داخل ہیں، جو مغفرت کے اہل بھی ہوں، یہاں تک کہ اگر اُن اہلِ غزوہ میں سے بھی اگر بالفرض کوئی مرتَد ہو جاتا (والعیاذ باللہ)، تو وہ یقیناً اِس بِشارت کے عموم میں داخل نہ رہتا۔ لہذا صاف طور پر معلوم ہوا، کہ یہ بِشارت اُس کے لیے ہے، جس میں مغفرت کی شرط واہلیت پائی جائے"۔

واقعات بعد شہادت

تاریخِ اسلام میں یزید وہ پہلا شخص ہے، جس نے اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کی خاطر نواسۂ رسول حضرت سیّدنا امامِ حسین اور اہلِ بیت اَطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو، کربلا کی تپتی

---

(۱) المرجع نفسه.

ریت پر بھوکا پیاسا شہید کروایا، شہادت کے بعد اُن حضرات کے اَجساد طیّبہ کی ہونے والی توہین پر خاموش رہا، صرف اِسی پر بس نہ کی، بلکہ سانحۂ کربلا کے رَدِّعمل میں اپنے خلاف، مدینہ منوّرہ سے اُٹھنے والی تحریک کو کچلنے کے لیے، شریعتِ مطہّرہ کی حدود کو پامال کیا، اس کے لشکروں نے آلِ بیتِ رسول ﷺ اور مدینہ شریف کی بے حرمتی کی، رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں گھوڑے داخل کیے، "ریاض الجنّہ" کو گھوڑوں کی لید اور پیشاب سے ناپاک کیا۔ اپنے ہی کلمہ گو ہزاروں مسلمان بھائیوں کا قتلِ عام کروایا، اپنے سپاہیوں کے ذریعے ہزارہا باپردہ مسلمان خواتین کی عصمت دری کروائی، ہزاروں انصار ومہاجرین، تابعین علماء اور حفّاظِ کرام شہید کروائے۔

بطورِ حکمران اگر یزید کی شخصیت اور کردار کا جائزہ لیا جائے، تو وہ ایک ظالم وجابر اور فاسق وفاجر ہونے کے ساتھ ساتھ، حکمرانی کے لیے انتہائی ناموزوں اور نا اہل شخص تھا۔ یزید کے شخصی کردار سے متعلق حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ "یزید مزامیر سنتا، شراب پیتا تھا، گانے سنتا، لڑکوں اور کتوں کا شوقین تھا، بندر، ریچھ وغیرہ لڑواتا، نیز دیگر منکَرات شرعیہ کا بھی مرتکب تھا"[1]۔

اسیرانِ کربلا

زیاد بدنہاد نے، حضرت امام حسین کے سرِ مبارک کو کوفہ کے کوچہ وبازار میں پھروایا، اور اس طرح اپنی بے حمیتی وبے حیائی کا اظہار کیا، پھر حضرت شہید کربلا

---

(١) "البداية والنهاية" ثُمَّ دَخَلَتْ سَنَةُ أربع وَسِتِّينَ، ٨/ ٢٣٥، بتصرّف.

اور ان کے تمام جاںنثار شہداء -علیہم الرضوان- کے سروں کو، اسیرانِ اہلِ بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ، شمر ناپاک کی ہمراہی میں، یزید کے پاس دِمشق بھیجا، یزید نے سرِ مبارک اور اہلِ بیت اطہار کو، حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مدینہ طیّبہ بھجوایا، اور وہاں حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک آپ کی والدہ ماجدہ، حضرت خاتونِ جنّت رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں دفن کیا گیا[1]۔

امام ابن عساکر نے منہال بن عَمرو سے روایت کی، وہ کہتے ہیں: واللہ! میں نے بچشمِ خود دیکھا، کہ جب سر مبارک امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگ نیزے پر لیے جاتے تھے، اس وقت میں دِمشق میں تھا، سر مبارک کے سامنے ایک شخص سورۂ کہف پڑھ رہا تھا، جب وہ اس آیت پر پہنچا: ﴿اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡكَهۡفِ وَالرَّقِيۡمِ ۙ كَانُوۡا مِنۡ اٰيٰتِنَا عَجَبًا﴾[2] "اصحاب کہف و رقیم ہماری نشانیوں میں سے عجب تھے"۔ اس وقت اللہ تعالی نے سر مبارک کو گویائی دی، تو بزبانِ فصیح فرمایا: "أعْجَبُ مِنْ

---

(۱) "الكامل في التاريخ" ۳/ ۲۹۷، ۲۹۸. و "سوانح کربلا" واقعات بعد شہادت، ص۱۷۱۔

(۲) پ۱۵، الكهف: ۹.

اَصْحابِ الْكَهْفِ قَتْلِيي وَحَمْلِيي". " اصحاب کہف کے واقعہ سے عجیب تر، میرا قتل اور میرے سر کو لیے لیے پھرنا ہے!"[1]۔

اور در حقیقت بات یہی ہے؛ کیونکہ اصحاب کہف پر کافروں نے ظلم کیا تھا، اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے نانا جان کی امّت نے مہمان بنا کر بلایا، پھر بے وفائی سے پانی تک بند کر دیا، آل واصحاب کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے شہید کیا، پھر خود حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی شہید کیا، اہل بیت -علیہم الرضوان- کو اسیر (قید) کیا، سر مبارک شہر شہر پھرایا۔ اصحاب کہف سالہا سال کی طویل خواب کے بعد بولے، یہ ضرور عجیب ہے، مگر سرِ مبارک کا تن سے جدا ہونے کے بعد کلام فرمانا، اس سے بھی عجیب تر ہے[2]۔

غرض زمین وآسمان میں ایک ماتم برپا تھا، تمام دنیا رنج وغم میں ڈوبی ہوئی تھی، شہادتِ امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دن آفتاب کو گرہن لگا، ایسی تاریکی ہوئی کہ دوپہر میں تارے نظر آنے لگے، آسمان رویا، زمین روئی، ہوا میں جنّات نے نَوحہ خوانی کی، راہب (پادری) تک اس حادثۂ قیامت نما سے کانپ کر رو پڑے۔ فرزندِ رسول، جگر گوشۂ بتول، سردارِ قریش، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سرِ مبارک، ابن زیاد متکبر کے سامنے تشت

---

(١) انظر: "فيض القدير" حرف الهمزة، تحت ر: ٢٨١، ١/ ٢٠٤، نقلاً عن ابن عساكر.

(٢) "سوانح کربلا" واقعات بعد شہادت، ص۱۷۵۔

میں رکھا جائے، اور وہ فرعون کی طرح مسند تکبر پر بیٹھے، اہل بیت -علیہم الرضوان- اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھیں، ان کے دلوں کا کیا حال ہوا ہوگا!۔ پھر سر مبارک اور تمام شہداء کے سروں کو شہر شہر نیزوں پر پھرایا جائے، اور وہ یزید پلید کے سامنے لا کر اسی طرح رکھے جائیں جس پر وہ خوش ہو! اس توہین کو کون برداشت کر سکتا ہے ؟!۔

یزید کی رعایا بھی بگڑ گئی، اور ان سے یہ نہ دیکھا گیا، اس پر اس نابکار نے اظہارِ نَدامت کیا، مگر یہ نَدامت اپنی جماعت کو قبضہ میں رکھنے کی خاطر تھی، دل تو اس ناپاک کا، اہلِ بیت کرام کے عناد سے بھرا ہوا تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، اس کے باوجود آپ نے اور آپ کے اہل بیت کرام نے صبر ورضا کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا، یہ اعلی کردار رہتی دنیا تک لوگوں کو حیرت میں مبتلا کرتا رہے گا۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے راہِ حق میں وہ مصیبتیں اٹھائیں، جن کے تصوّر سے بھی دل کانپ اٹھتا ہے۔ یہ کمال شہادت وجانبازی ہے! اس میں امّتِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے حق وصداقت پر استقامت واستقلال کی بہترین مثال اور تعلیم ہے[1]۔

کربلا میں حضرت سیّدنا امامِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد، مدینہ منوّرہ میں بغاوت کی ایک ایسی آندھی اٹھی، جس سے یہ محسوس ہونے لگا، کہ بنی اُمیّہ کے خلاف پورا عالمِ اسلام اٹھ کھڑا ہوگا، اور حکومت تبدیل ہو کر رہے گی۔ ایسے میں اہلِ مدینہ کو

---

(۱) "سوانح کربلا" واقعات بعد شہادت، ص۱۷۶، ۱۷۷۔ و"الصواعق المحرقة" الباب ۱۱ في فضائل أهل البيت، الفصل۳، صـ۱۹۰ - ۲۰۸.

خاموش کرانے کے لیے، یزید نے مسلم بن عقبہ کی سپہ سالاری میں ایک ایسا لشکر بھیجا، جس نے مدینہ منوّرہ میں گھس کر اتنے ظلم ڈھائے، اور مسلمانوں کا اس قدر بے دردی سے قتلِ عام کیا، جسے کما حقُّہ بیان کرنے سے بھی زبان کانپتی ہے، نیز قلم بھی اسے لکھنے سے قاصر ہے۔

خلاصۂ کلام

احادیث مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام کی رَوشنی میں یہ بات ثابت ہوئی، کہ واقعۂ کربلا تاریخِ اسلام کا نہیں، بلکہ تاریخِ عالَم کا افسوسناک، اور نادِر وعجیب وغریب واقعہ ہے، حضرت سیّدنا امام حسین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک فاسق وفاجر شخص کو، حاکم وبادشاہ ماننے سے انکار کیا، اور اپنی جان واولاد سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کرکے، دینِ اسلام کو حیات بخشی!۔

فائدہ: اس موضوع پر کی مزید تفصیل کے لیے، امام محدّث ابن جَوزی عَلَیہِ الرَّحمۃ کی کتاب (۱) "الرد على المتعصّب العنيد، المانع من ذمّ اليزيد"[۱]، حضرت شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی عَلَیہِ الرَّحمۃ کی کتاب (۲) "سر الشہادتین"، امام اہل سنّت امام احمد رضا عَلَیہِ الرَّحمۃ کا رسالہ (۳) "أعالي الإفادة في تعزية الهند وبيان الشّهادة"[۲]، برادرِ امام اہل سنّت، حضرت علّامہ حسن رضا خان عَلَیہِ الرَّحمۃ کا رسالہ

---

(۱) مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

(۲) "فتاوی رضویہ" ۱۲/۶۵۳ تا ۶۶۴، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۴) "آئینۂ قیامت"[۱]، اور حضرت علّامہ سیّد محمد نعیم الدّین مُرادآبادی علیہ الرحمۃ کی تالیف(۵) "سوانح کربلا"[۲] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

---

(۱) مطبوعہ مکتبہ رضویہ، کراچی۔

(۲) مطبوعہ سوادِ اعظم، لاہور۔